روشنی سمجھتے ہوئے جو اندھیروں کا سفر ہے وہ سب سے خطرناک ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 8 / مارچ 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات تلاوت کیں:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ (النور: 40، 41)

پھر فرمایا:

سورۃ النور آیت چالیس اور اکیالیس کی میں نے تلاوت کی ہے۔ اس سے پہلے قرآن کریم اور احادیث نبی ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے اقتباسات پیش کر کے نور کے مضمون پر میں نے چند خطبات دیئے تھے۔ اب نور کا برعکس ظلمت ہے اور ظلمتیں بھی کئی قسم کی ہیں اور پھر ظالم جسے گناہ گار کہا جاتا ہے یا حد سے بڑھا ہوا گناہ گار ظالم کہلاتا ہے اس کا بھی ظلمت سے تعلق ہے۔ تو نور تو آتے آتے آئے گا مگر جب ظلمت جاتے جاتے جائے گی اور دونوں بیک وقت اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اس مضمون کو نسبتاً آسان کرنے کے لئے کہ نور کی محبت پیدا ہوئی، اس کے لئے دل میں ایک تڑپ اٹھی کہ ہم بھی صاحبِ نور ہو جائیں۔ یہ تو ہر سننے والے کے دل میں طبعًا یہ

جذبات اٹھتے ہیں اور اکثر خطوں سے پتا بھی چلتا ہے کہ لوگ اس طرف متوجہ ہو رہے ہیں مگر جو مشکل کام ہے وہ منفی حصے کی صفائی ہے۔

جب تک پہلے دل کی جڑی بوٹیاں اور وہ گند نہ دور کئے جائیں جو ظلمات کی پیداوار ہیں اس وقت تک فی الحقیقت نور سے محبت ہونے کے باوجود بھی نور وہاں اپنی جگہ نہیں بناتا۔ عام زمیندارہ تجربے میں یہ ایک مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ بیج بو دینا اور پانی ڈالنا آسان ہے مگر کھیتوں کو جڑی بوٹیوں سے صاف کرنا اور ایسے ذرائع اختیار کرنا کہ بار بار محنت کے ذریعے جڑی بوٹیوں کے آئندہ ہونے کا بھی امکان نہ رہے اور مسلسل ان پر نگاہ رکھنا یہ بیج بو دینے کے مقابل پر بہت زیادہ مشکل کام ہے۔ اچھے اور برے زمیندار میں یہی ایک فرق ہے۔ بُرا زمیندار بھی تو بیج ڈالتا ہی ہے اور پانی بھی دیتا ہے مگر بعض دفعہ اس کی کھیتی میں سوائے جھاؤ کے اور گند کے اور کچھ بھی نہیں اگتا اور اکثر جو اس کا بیج تھا اس کی پرورش کو وہ بوٹیاں کھا جاتی ہیں جن کا اس کھیت سے تعلق کوئی نہیں یا اس کھیت پر حق نہیں بنتا تو نور اور ظلمت کی باہمی جدوجہد میں بھی ایسے ہی مناظر دکھائی دیتے ہیں۔

ایک طرف یہ مضمون ہے کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا یعنی نور آ گیا اور ظلمتیں جاتی رہیں اور دوسری طرف یہ بھی مضمون دکھائی دیتا ہے کہ ظلمتوں نے جہاں ایک دفعہ جڑیں پکڑیں وہاں پھیلتے پھیلتے نور کو اس علاقے سے نکال دیا۔ تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ یہ تضاد کیوں ہے اور حقیقت کیا ہے۔ اگر نور میں غالب آنے کی طاقت ہے تو جب ایک دفعہ آ جائے تو پھر کیوں آخر اس نور کو ظلمتیں دھکیل کے باہر کر دیتی ہیں اور یہ جو سوال ہے یہ ایک ازل کا سوال ہے ہمیشہ سے اٹھا ہے تمام دنیا کے فلاسفرز نے اس مضمون کو کسی نہ کسی رنگ میں ضرور چھیڑا ہے کہ ظلمت اور نور کی جنگ کیا چیز ہے۔ چنانچہ حضرت زرتشتؑ کا مذہب ظلمت اور نور کی لڑائی پر ہی مبنی دکھائی دیتا ہے۔ اگر چہ ہر مذہب میں ظلمت اور نور کی لڑائی ہے کسی نے کسی رنگ میں اس کا ذکر کیا ہے، کسی نے کسی رنگ میں لیکن حضرت زرتشتؑ نے اس کو اس طرح دو متقابل طاقتوں کی طرح کھول کر بیان کیا کہ بعد میں آنے والوں کو یہ دھوکہ ہو گیا کہ نور کا الگ خدا ہے اور ظلمت کا الگ خدا ہے۔

پس اس پہلو سے یہ مسئلہ سمجھنے والا ہے کہ حقیقت کیا ہے؟ ہم ظلمت سے اگر بچنا چاہتے ہیں تو نور اختیار بھی کر لیتے ہیں پھر بھی بچ نہیں سکتے تو آخر کیا وجہ ہے۔ یہ مسئلہ حل کرنے کی خاطر میں اب یہ

ظلمتوں کا مضمون آپ کے سامنے کھولوں گا انشاء اللہ اور بتاؤں گا کہ کون کون سی احتیاطوں کی ضرورت ہے تا کہ نور آپ کے اوپر غالب رہے کبھی مغلوب نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو میں سورہ نور ہی کی ایک آیت آپ کے سامنے رکھتا ہوں کیونکہ قرآن کریم جو ایک مکمل کتاب ہے جب ایک پہلو پر روشنی ڈالتا ہے تو دوسرے پہلو کو بھی ضرور بیان فرماتا ہے اور اسی سورت میں دونوں مضامین کھول دیتا ہے اور اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں کہ ایک ہی سورت میں ایک مضمون کا ایک پہلو کھولا گیا ہے تو کسی اور جگہ اسی سورت میں اس مضمون کا دوسرا پہلو بھی کھولا گیا ہے اور جو اشتباہات کے احتمالات ہیں ان کو کلیۃً دور کر دیا جاتا ہے۔ پس ظلمات والی آیت بھی اسی سورۃ نور میں ہی ہے اور بتا رہی ہے کہ ظلمات کی قسمیں کتنی ہیں اور کیسے کیسے ظلمات ہیں جن سے تمہیں واسطہ ہوگا۔

اور سب سے پہلی بات جو حیرت انگیز ہے لیکن غور کرو تو حیرت انگیز نہیں رہتی ظلمت کی ایک قسم وہ ہے جس کا روشنی سے تعلق ہے اور پہلے اسی کا بیان ہوا ہے۔ جیسے کہ دوسری جگہ قرآن کریم بعض ظلم کی باتیں کرتا ہے مگر وہ حد سے زیادہ روشنی کے معنوں میں کرتا ہے، بے انتہا روشنی ہو تو اس کو بھی ظلم کے تابع شمار فرمایا گیا اور صاحب نور کو ظالم قرار دے دیا گیا۔ وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (الاحزاب:73)۔

نور آسمانی کو کوئی اور مخلوق کوئی اور انسان اٹھا نہیں سکا، مگر دیکھ محمد مصطفی ﷺ انسان کامل آگے بڑھا اور اس نور کو اٹھا لیا۔ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا یہ تو حد سے زیادہ ظلوم والا ہے، ظلموں والا ہے یا ظالم ہے تو ظالم کے مبالغے کا صیغہ ظلوم ہے بہت زیادہ ظلم کرنے والا لیکن وہ تعریف کا کلمہ ہے۔ پس ایک ہی لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے اور بالکل ایک دوسرے سے الٹ معانی بن جاتے ہیں۔ اب ''بـــــلا'' کا لفظ کوئی بہت ہی ذلیل، گھٹیا، خوفناک چیز ہو تو اس پر یہ ''بـلا'' کا تصور اطلاق پاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ بڑی ''بـلا'' ہے لیکن بعض دفعہ نہایت ہی اعلیٰ درجے کی چیز ہو تو کہتے ہیں بـلا چیز ہے، آج تو بـلا کی خوشی پہنچی، آج تو بـلا کا دن چڑھا ہے کہ اتنی خوشیاں اتنی چیزیں اکٹھی ہو گئیں جو ہمیں تر و تازگی بخش رہی ہیں، ہمارے لئے طمانیت کے سامان لائیں۔ علماء کے متعلق بھی بـلا کا لفظ استعمال ہوتا ہے بـلا کا عالم ہے۔ چنانچہ میں نے ایک دفعہ مثال دی تھی کہ حضرت حافظ شاہ جہانپوری صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان سے ایک دفعہ ملاقات ہوئی تو

اس ملاقات میں کچھ تھوڑے سے بجھے بجھے دکھائی دے رہے تھے اور کسی سوچ میں تھے۔ وہ مسئلہ یہ نکلا بعد میں کہ مجھ سے پہلے ان سے کوئی مقامی بڑا زمیندار ملنے آیا تھا اور وہ پنجابی کا بہت ماہر، جو خاص جھنگ کی پنجابی ہے چوٹی کا زبان دان تھا اس نے کچھ دیر حضرت شاہ جہانپوری صاحب کی صحبت میں وقت گزارا اور آپ کی علمی باتیں اور ادبی چٹکلے اور عظیم الشان مضامین ان سے سنے جو ایک علم و عرفان کا بہتا ہوا سمندر تھا تو اتنا متاثر ہوا کہ جاتے ہوئے وہ ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ ''بـــلا بدھی ہوئی اے، بـلا بدھی ہوئی اے'' کہ اندر تو ان لوگوں نے بـلا باندھی ہوئی ہے اور یوں جھٹکتا جاتا تھا اور حافظ صاحب اس سے مغموم تھے کہ میں نے اتنی اچھی اچھی باتیں کیں مجھے جاتے جاتے بـــلا کہہ گیا۔ میں نے کہا حافظ صاحب اس سے بڑا آپ کو Compliment دے ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ تو چوٹی کا کلام ہے کہ بلا بدھی ہوئی ہے۔ تو حیرت انگیز چیز ہے اس کا اپنے دائرہ علم میں جس طرح اس کو حاصل ہے اس شان کا اور کوئی آدمی نہیں تو دیکھیں لفظ ''بـلا''، بھی کبھی کسی معنے میں، کبھی کسی معنے میں مگر دونوں جگہ انتہا کے معنوں میں ہے۔ پس ظلم پر بھی اور انتہا کی نیکیوں پر بھی بولا جاتا ہے۔

پس اس پہلو سے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں ظلمت کا ذکر فرمایا، دیکھیں کیسی عظیم کتاب ہے، حیرت انگیز پہلو ہے جو بالکل عقل پر ایک عالم حیرت ہی طاری کر دیتی ہے یعنی پہلے روشنی کی مثال سے ظلم کی بات شروع کی۔ فرمایا ایک وہ ظلم ہے جو روشنی کے سفر کرنے والوں کے مقدر میں ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کئے ان کے اعمال تو ایسی سراب کی طرح ہیں بِقِيْعَةٍ جو ایک ایسے چٹیل میدان میں ہو جہاں دور دور تک پانی دکھائی نہ دے۔ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً پیاسا اس سراب کو پانی سمجھتا ہے جو روشنی کی تیزی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر روشنی نہ ہو تو سراب کا بھی کوئی وجود نہیں۔ مگر روشنی ہی کا ایک دھوکہ بھی ہے۔ دیکھنے میں وہ روشنی ایک پانی کا، ایک زندگی بخش پیغام لے کر آتی ہے مگر حقیقت میں موت کی طرف بلا رہی ہوتی ہے۔

انہی معنوں میں قرآن کریم فرماتا ہے: كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام: 109) کہ اس طرح ہم نے ہر اُمت کو اس کے لئے ان کے اعمال خوبصورت کر کے دکھا دیئے ہیں۔ کچھ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ

الدُّنْیَا (الکہف:29) میں محو ہیں اور اسی کے عاشق ہو کر اسی میں کھوئے گئے ہیں کچھ اخروی زینت جسے تقویٰ کی زینت کہا گیا ہے اس کے دلدادہ ہیں اور اسی کی جانب سفر رہتا ہے۔ مگر زینتیں دونوں ہی زینتیں ہیں مگر کتنا فرق ہے۔ ایک جگہ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فرمایا دوسری جگہ تقویٰ کو زینت قرار دیا گیا اور فرمایا اسی زینت کو ہر جگہ لئے پھرو، جہاں سجدہ کرو یہ زینت تمہارے ساتھ ہو۔ پس انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے روشنی سے متنبہ فرمایا ہے جو دنیا کی چمک اور اپنی نفس کی تمناؤں کے نتیجے میں تمہیں غلط پیغام پہنچاتی ہے اور اندھا پن جو روشنی کا اندھا پن ہو بہت ہی خطرناک ہے ایسے آدمی کو ہر طرف روشنی ہی روشنی دکھائی دیتی ہے اور وہ کوشش ہی نہیں کرتا کہ اس مصیبت اس اندھیرے سے نکل سکے۔

پس وہ لوگ جو اندھیروں میں لپٹے ہوئے ہیں ان کا بھی بہت بدتر حال ہے لیکن کم سے کم کوشش تو کرتے ہیں جن کو شعور پیدا ہو جائے جیسا کہ اگلی مثال میں اللہ فرماتا ہے وہ اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کچھ دکھائی نہیں دیتا مگر بے بسی کا عالم ہے۔ یہ اندھیرا جو ہے یہ ایسا ظالمانہ اندھیرا ہے روشنی کا اندھیرا کہ اس میں انسان سمجھتا ہے میں تو دیکھ رہا ہوں مجھے کوئی کیوں رستہ دکھا رہا ہے مجھے تو سب پتا ہے۔ ایسے آدمی کو آپ حق کا پیغام دیں، نصیحت کریں، جو چاہیں آپ زور آزمالیں وہ آپ کو یہ کہے گا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے پاگل ہو گئے ہو، میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں مجھے ضرورت ہی کوئی نہیں۔ فرمایا ایسا آدمی جو ہے وہ پھر بے روک ٹوک اپنے بدانجام کی طرف بڑھتا ہے۔ اس کے رستے میں کوئی نہیں ہے جو اسے روک سکے اور اسے ہدایت دے سکے اور جب وہ آخری انجام کو پہنچتا ہے اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ میں جس زندگی کے پیچھے دوڑتا رہا ہوں وہ دراصل موت کی پیاس تھی اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ وہ آگ تھی جو ہر سراب ایک حد سے بڑھے ہوئے پیاسے کے لئے تحفۃً پیش کرتا ہے جس کے بعد پانی کی ایک بوند کو ترستے ہوئے مرنا مقدر ہے، اس کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

فرمایا: اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ ایسے لوگوں کے اعمال تو ایسے سراب کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے بِقِيْعَةٍ ایک چٹیل میدان میں واقع ہے۔ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً اسے پیاسا جو ہے وہ پانی سمجھتا ہے۔ اب پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہ بھی ایک بہت اہم مضمون ہے

جس کی طرف متوجہ ہونا چاہئیے۔ جتنی دنیا کی پیاس بڑھے اتنا ہی انسان اپنے نفس کو دھوکا دیتا چلا جاتا ہے اور اگر آپ کو بالکل پیاس نہ ہو پانی ہو تو آپ اس سراب کو دیکھتے بھی ہیں متوجہ نہیں ہوتے اور آپ کا دل بتاتا ہے کہ یہ پانی نہیں ہے محض دھوکہ ہے لیکن وہ جس کی جان نکل رہی ہو پانی کی بوند کے لئے اس کو تو ہر چمکنے والی چیز پانی دکھائی دینے لگتی ہے۔ تو فرمایا کہ تم دنیا کی طلب میں ایسے اندھے نہ ہو جاؤ، ایسے پاگل نہ بن جاؤ کہ جہاں کچھ سیرابی کے لئے نہ ہو وہاں بھی تمہیں پانی دکھائی دے اور تم پھر اس کے پیچھے دوڑنے لگو اور امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا طلبی کی اس سے زیادہ حسین مثال دی جا ہی نہیں سکتی۔ روشنی ہے انسان اس روشنی میں ایک اور چمکتی ہوئی چیز کو دیکھتا ہے اور اس کے پیچھے بگٹٹ دوڑا چلا جاتا ہے اس خیال سے کہ میری پیاس بجھے گی۔ پس دنیا والے جن بدیوں کے پیچھے دوڑتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پیاس بجھے گی ان کی پیاس نہیں بجھا کرتی یہ ایک اور پیغام ہے جو اس آیت میں دیا گیا ہے۔ ان کی روشنی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور دن بدن جوں جوں موت کے قریب ہوتے ہیں ان کی طلب بڑھتی چلی جاتی ہے اور بالآخر یہ یقین کر کے مرتے ہیں کہ ہم نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا ساری عمر ضائع کر دی۔ چنانچہ اکثر پٹے ہوئے سیاستدانوں سے آپ بات کر کے دیکھیں، یا بڑی بڑی نوکریوں سے اترے ہوئے لوگوں سے ملیں یا ریٹائرڈ جرنیلوں سے بات کریں تو ان سب کی باتوں میں آپ کو یہ بات دکھائی دے گی جی کچھ بھی نہیں ہم نے اتنی خدمتیں کیں آخر کچھ نہ نتیجہ نہ نکلا۔ کل تک جو پوجتے تھے آج ملتے ہیں تو دیکھتے ہی نہیں اس طرف۔ کئی ایسے جو بڑے بڑے وزیر یا گورنر رہ چکے ہوں جب وہ دوبارہ اترنے کے کچھ عرصے کے بعد سیکرٹریوں کے کمروں میں داخل ہوتے ہیں تو سیکرٹری اس طرح ان پر نظر ڈالتا ہے جیسے کوئی مصیبت داخل ہوگئی اب یہ مانگیں گے کچھ اب تقاضا کریں گے پہلے آتے تھے تو اٹھ کر ملا کرتے تھے۔

تو زندگی کی پیاس جو خدا کے فیض سے خالی ہو زندگی کی پیاس جو عشق الٰہی سے عاری ہو اس زندگی کی پیاس کا مقصد سوائے سراب کی پیروی کے اور کچھ بھی نہیں ہے اور کبھی بھی طمانیت قلب نہیں بخشتی۔ انفرادی طور پر بھی یہی اصول کارفرما ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں اور اجتماعی طور پر بھی یہی اصول کارفرما ہے چنانچہ Materialist Society جہاں طرح طرح کی ایجادات کی گئی ہیں عیش و عشرت کے سامان کی، وہاں پیاس بڑھ رہی ہے لیکن بجھ نہیں رہی اور سوسائٹی کی بڑھتی ہوئی

بے چینی اور خلاء کا احساس اور مزید کی تلاش یہ ساری باتیں ایسی ہیں جن پر اگر آپ عمومی نظر ڈالیں تو ادنیٰ بھی اس بات میں شک نہیں رہے گا کہ ایسی سوسائٹیاں پھر سراب کے پیچھے دوڑتی چلی جاتی ہیں اور جانتی ہیں کہ ہمارا حال بد سے بدتر ہو رہا ہے، اب مغربی دنیا میں تو اللہ کے فضل کے ساتھ سچائی کا عنصر اکثر مشرقی دنیا سے زیادہ ہے کیونکہ جہاں گناہوں کے بڑھ جانے نے ان کو نقصان پہنچائے وہاں کچھ ضمنی فائدے بھی پہنچائے۔ یہ بات یعنی منافقت کم ہوگئی اور عام دنیا کے حالات میں اپنی کمزوریاں کھل کر بیان کرنے کے حوصلے ہو گئے اور یہ بات بُرائی تک بھی پہنچاتی ہے اور بعض فائدے بھی رکھتی ہے۔ بے حیائی کے نقصان تو بہر حال ہیں مگر کچھ فوائد بھی ہیں یہ اپنے امراض کو باہر سب کے سامنے کھول کر اور دکھا کر بتاتے ہیں کہ یہ مرض ہیں یہ بڑھ رہے ہیں، یہ یہ مصیبتیں ہیں۔ چنانچہ ان کے دانشور جب ان موضوعات پر ٹیلیویژن وغیرہ میں گفتگو کریں تو آپ دیکھیں ہر ایک کے اوپر یہ مایوسی ہوتی ہے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، جو چاہیں زور لگالیں ہمارے نوجوان ہاتھ سے نکل گئے ہمارا امن اٹھ گیا۔ دن بدن یہاں چوری، ظلم، سفا کی بڑھتے چلے جا رہے ہیں، امن وامان قائم کرنے والی طاقتوں میں بھی رفتہ رفتہ فتور آ گیا ہے، ان کے اندر بھی بدیاں داخل ہو رہی ہیں۔ قانون بناتے ہیں چیزیں روکنے کے لئے وہی قانون ظالموں کو مزید پیسے حاصل کرنے کے ذرائع مہیا کر دیتا ہے۔ جتنا جرم کے خلاف سختی بڑھے گی اتنا ہی جرم پکڑنے والے ادارے، اگر بددیانت ہوں، ان کی فیسیں بھی ساتھ ساتھ بڑھیں گی ان کی طلب بھی اور اونچی ہوتی چلی جائے گی۔ تو جو اصل بنیاد ہے جہاں جڑیں قائم ہیں وہاں ہاتھ ڈالے بغیر معاشرے کے اندھیرے دور نہیں ہو سکتے اور یہ آیت ان تمام اندھیروں پر برابر چسپاں ہو رہی ہے جو انسان اپنے آپ کو روشنی میں سمجھ کر یہ سمجھتے ہوئے کہ میں اپنی عقل سے اپنے لئے کچھ حاصل کر سکتا ہوں اور بظاہر وہ دیکھ رہا ہے اور اس طرح دیکھتا ہے جیسے دوسروں کو دکھائی نہیں دے رہا اس کو زیادہ پتا ہے کہ اس کا مفاد کیا ہے ایسے شخص کی زندگی اکیلی بھی اسی طرف سفر کرتی ہے اور اپنے معاشرے کی مجموعی زندگی بھی اسی رخ پر سفر کرتی ہے جس رخ پر قرآن کریم نے دکھایا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ آخر پر پہنچتا ہے۔ وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ۔ وہ اللہ کو وہاں دیکھتا ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اب دیکھیں روشنی کے سفر کا نتیجہ روشنی ہی ہونی چاہئے۔ کیسے اندرونی آپس میں تعلقات ہیں مضمون کے اور لفظوں کے۔ یہ نہیں کہا

وہاں خدا کو نہیں دیکھتا۔ فرماتا ہے دیکھتا تو خدا ہی کو ہے مگر حساب دینے کی غرض سے۔ اس غرض سے کہ اسے سزا دے۔ پس لقاء باری تعالیٰ بھی تو دو طرح کی ہے۔ جانا تو خدا ہی کی طرف ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ:157)۔ ہم اللہ ہی کے ہیں اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں اور لازماً اس کی طرف ہی لوٹیں گے مگر کیسے لوٹیں گے۔ رحمان اور رحیم کے رستے سے یا مغضوب اور ضالین کے رستے سے۔ اگر مغضوب اور ضالین کے رستے سے لوٹیں گے تو وہ ملاقات بہت بری ملاقات ہوگی مگر یہاں دیکھیں روشنی کا سفر بھی ہے اور روشنی تک پہنچا بھی رہا ہے مگر جیسے وہ روشنی کا تصور جھوٹا تھا ویسے اس روشنی تک پہنچ کر اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اور سوائے گناہ کی پاداش کے اور کچھ اس کے حصے میں نہیں آیا۔ فَوَفّٰهُ حِسَابَهٗ اللہ وہاں اسے اس کا حساب دے گا اور پورا پورا حساب دے گا۔ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ اور اللہ تعالیٰ بہت تیز حساب کرنے والا ہے۔ اب تیز حساب اور اس موقع کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں میں پہلے بھی روشنی ڈال چکا ہوں مگر بعض لوگوں کے خیال پھر بھی الجھے رہتے ہیں کیونکہ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے خطبے میں پوری تفصیل سے بات کی لیکن ہوسکتا ہے اس میں مَیں مضمون ٹھیک بیان نہ کر سکا ہوں وہ لوگ جو خطبے میں موجود تھے پھر دوبارہ وہی سوال کرتے ہیں یہ بات نہیں بتائی آپ نے۔ میں کہتا ہوں بتا تو چکا ہوں اور کس طرح بتاؤں مگر پھر بتاتا ہوں کوشش کرتا ہوں۔ بعض دفعہ ایک انسان کے خیال بہک جاتے ہیں خطبہ سنتے سنتے اس کو کوئی گھر کی بات یاد آجاتی ہوگی یا کوئی تجارت کا مسئلہ آ گیا اس نے دماغ پر قبضہ کر لیا یا کوئی پروگرام بنانا ہے یا کسی بچے کی بیماری کی پریشانی ہے تو یہ انسان کے ساتھ اندھیرے اور روشنی چلتے رہتے ہیں ساتھ ساتھ کبھی اندھیرا آجاتا ہے تو اس لئے بتانا ضروری ہے اس لئے اس مضمون کو بھی میں دوبارہ سمجھاتا ہوں کہ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ہونے کے باوجود اتنا لمبا انتظار کہ ایک آدمی کا ہر قدم گناہ کی طرف اٹھ رہا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے منطقی انجام تک پہنچتا ہے اس تمام سفر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَرِيْعُ الْحِسَابِ کہ میں حساب میں بہت تیز ہوں۔

سَرِيْعُ الْحِسَابِ سے مراد یہاں یہ نہیں ہے کہ جزا دینے میں تیز ہوں۔ یہ دو الگ الگ مضمون ہیں۔ اگر جزا دینے میں تیز کہا جاتا تو پھر وہ آیت کہاں جائے گی جو کہتی ہے میں ڈھیل دیتا ہوں وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (الاعراف:184) میں انہیں ڈھیل دیتا چلا جاتا ہوں

مگر میری پکڑ ہے بہت سخت۔ تو حساب سے مراد یہ ہے کہ اس کے اس تمام سفر کے قدم قدم کا حساب اسے وہاں پورا دیا جائے گا۔ تیز حساب سے مراد یہ ہے کہ ایک لمحہ بھی حساب کا ایسا نہیں گزرا جب کہ خدا غافل ہوا ہو اس کے حساب سے۔ اس پر ایسے حساب کرنے والے مقرر ہیں جو لمحہ لمحہ بلکہ اس سے بھی کم عرصے کی اس کی نیتوں کی خرابیاں، اس کی تمناؤں کے فساد، اس کے اعمال کے جو فتنے پیدا ہوتے ہیں لوگوں کو ضرر پہنچتے ہیں ان سب باتوں کا، ایک ایک ضرر کا حساب خدا تعالیٰ نے رکھا ہوا ہے۔ پس جو ساتھ ساتھ حساب کرتا رہے اس سے زیادہ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اور کیا ہو سکتا ہے۔ حساب میں اگر تاخیر ہو جائے تو بعض دوسری چیزیں رہ جایا کرتی ہیں۔ اللہ کی یادداشت سے تو کچھ نہیں رہ سکتا۔ مگر یہ ایک بہت ہی حسین انداز ہے خدا کے حساب کے متعلق اطمینان دلانے کا کہ اس نے چھوڑا کچھ بھی نہیں کیونکہ جو ساتھ ساتھ حساب کر رہا ہے اس سے کچھ نہیں چھٹا کرتا۔ جو کہتا ہے کل کر لیں گے، پرسوں کر لیں گے اس سے کئی چیزیں رہ جایا کرتی ہیں۔ تو فرمایا جو حساب دے گا وہ یقیناً پورا ہو گا اس میں کوئی کمی نہیں ہو گی کیونکہ وہ ساتھ ساتھ حساب کر رہا تھا ایک لمحہ کی تاخیر نہیں ہوئی۔ پس ایسے حساب کرنے والے سے ڈرو جب وہ پورا حساب دے گا تو تمہارے گناہوں کی تمام تر پاداش تمہیں مل جائے گی۔ یہ وہ اندھیروں کا سفر ہے جو روشنی کے نام پر کیا جا رہا ہے اور دنیا کی بھاری اکثریت جس روشنی میں سفر کر رہی ہے وہ یہ خوفناک اندھیرا ہے اور پہلے اس لئے رکھا کہ اس اندھیرے کا شعور تک بیدار نہیں ہوتا۔ روشنی سمجھ رہا ہے انسان، ساری عمر روشنی سمجھتا رہے گا کوئی کہنے والا بتائے گا آواز بھی دے گا تو کہے گا تم پاگل ہو گئے ہو مجھے پتا ہے میں کیا کر رہا ہوں وہ دیکھو سامنے پانی ہے اور پاگل کو جب یقین ہو جائے کہ میں جس طرف جا رہا ہوں وہ ٹھیک ہے تو وہ پھر کسی کی بات سنتا ہی نہیں اس کو لاکھ سمجھائیں کہ تمہیں سمجھ نہیں آ رہی یہ نقصان دہ ہے، کہے گا جاؤ جاؤ اپنا رستہ لو بڑے آئے ہو میرے ہمدرد مجھے تم سے زیادہ پتا ہے۔ بالکل ٹھیک ہے میرے لئے۔ ایسے کئی لوگ ہیں جو پھر بات نہیں مانتے جب وہ نقصان اٹھا لیتے ہیں پھر واپس آتے ہیں اس وقت دل کی شرم ہے جو روک ڈال دیتی ہے کہ ان کو کیا کہا جائے کہ کل تک تو تم ضد کر رہے تھے کہ اچھی چیز ہے اب آ گئے ہو کہ نقصان پہنچ گیا یہ بھی ایک طبعی بات ہے اور انسان کو مناسب نہیں ہے کہ بے وجہ کسی کو اس کی غلطی یاد دلا کے اس کو رگڑے اور تکلیف پہنچائے کہ دیکھا تم کل تک کیا کہہ رہے تھے اب تمہیں پتا لگ

گیا۔ بعض دفعہ آئندہ کے لئے بچانے کی خاطر نصیحتاً یہ بات کہنی پڑتی ہے مگر اس کے اندر کسی قسم کی تعلّی نہیں ہونی چاہئے ورنہ کہنے والے کو نقصان پہنچ جائے گا ورنہ یہ مضمون تو شاعری میں، عشق و عاشقی میں برابر چلتا ہے جہاں زیادہ پیار ہو وہاں کم طعنہ دیا جاتا ہے جتنا پیار بڑھے گا اتنا ہی طعن کی طرف طبیعت کم مائل ہوگی۔ غالب کہتا ہے۔

گئے وہ دن کہ، نادانستہ، غیروں کی وفاداری
کیا کرتے تھے تم تقریر، ہم خاموش رہتے تھے
بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی، جانے دو، مل جاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں، کیوں ہم نہ کہتے تھے

کہتا ہے گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری۔ اب دیکھیں یاد دلانے میں بھی کتنی احتیاط برتی ہے غالب نے ذہین شاعر تھا اور فطرت کے باریک امور پر نظر تھی (دیوان غالب: 391) کہتا ہے جب تم کیا کرتے تھے ہمیں پتا ہے نادانستہ کرتے تھے۔ بھولے آدمی تمہیں پتا ہی نہیں تھا کہ غیر دشمن ہیں ''کیا کرتے تھے تم تقریر.....'' بڑا اچھا آدمی ہے تم کیا روک رہے ہو مجھے کہتا ہے ہم خاموش رہا کرتے سنا کرتے تھے کہ ہاں ہوگا۔

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی

اب جب اس سے بگڑ گئی ہے تمہارے اوپر اس کا اصل حال کھل گیا ہے تو شرمندگی کی کوئی ضرورت نہیں ہم سے قسم لے لو اگر جو یہ بھی کہیں ''کیا ہم نہ کہتے تھے'' کبھی یہ بھی کہہ کے تمہیں جتائیں کہ ہم نے کہا نہیں تھا۔ اب یہ غالب کے اندر بھی ایک کمال ہے فصاحت کا پہلے جب یہ جو کہہ دیا کہ ہم خاموش رہتے تھے تو پھر قسم بھی کھا سکتا ہے کہ ہم نہ کہتے تھے ہم نہیں کہیں گے۔ کہا ہی نہیں مگر خاموشی بھی تو زبان رکھتی ہے۔ مراد یہ نہیں ہے کہ ہم نے تم پر ظاہر نہیں ہونے دیا، مراد یہ ہے کہ تم دیکھ لیتے تھے، سمجھنا چاہئے تھا جب ایک آدمی کسی کی تعریفوں کے پل باندھ رہا ہو اور دوسرا ''ہوں'' بھی نہ کہے تو صاف پتا چلتا ہے کہ اس کے دل کو لگی نہیں بات۔ کہتا ہے ہم خاموش رہا کرتے تھے، سنتے تھے یک طرفہ، کیا ضرورت تھی تمہاری مخالفت کرنے کی مگر پیغام پہنچ جاتا تھا اس لئے کہہ تو سکتے ہیں کہ ہم کہتے تھے مگر چونکہ منہ سے نہیں بولے اس لئے قسم کھاتے ہیں کہ اب نہیں کہیں گے، کیوں ہم نہ کہتے تھے۔

تو امر واقعہ یہ ہے کہ گناہ گار جس کو آپ روشنیوں کی طرف بلاتے ہیں اور وہ یہ کہتا ہے کہ یہ روشنیاں ہیں تمہیں کیا اس سے۔ مجھے نظر آ رہا ہے۔ روشنی ہے اس کا کچھ حساب تو ہے جو انجام کار خدا اسے دیتا ہے۔ بسا اوقات چھوٹے چھوٹے سفر درپیش ہوتے ہیں زندگی کے اندر اور وہ ہر سفر سراب کی طرح ہوتا ہے اس کا حساب ملتا چلا جاتا ہے اس لئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری موت کے وقت اگر حساب ملا بھی اور آنکھیں کھلیں بھی تو کیا فائدہ۔ میں جانتا ہوں کہ بسا اوقات ایسے لوگوں کو اپنے زندگی کے چھوٹے سفروں میں قرآن کریم کی اس آیت کی صداقت کا مزہ چکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ روشنی سمجھتے ہوئے جاتے ہیں دھوکہ کھاتے ہیں پھر واپس آتے ہیں پھر اگلی دفعہ پھر دھوکہ کھاتے ہیں پھر واپس آتے ہیں۔ اگلی دفعہ پھر دھوکہ کھاتے ہیں تو جو آخری حساب ہے وہ ان لوگوں کے لئے مشکل ہے جو وقتی حسابوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور سَرِیْعُ الْحِسَابِ ان معنوں میں بھی ہے کہ ہر منزل پر تمہارے دھوکے کا حساب چکا دیا گیا تھا تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آج اتنی دیر کے بعد بتایا اب کیا فائدہ جب سارا وقت گزر گیا اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں تو یہ وہی مضمون ہے ''قارعہ'' والا۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہم صرف آخری لمحوں میں تمہاری موت کے قریب آ کے تمہیں جھنجوڑ کے جگاتے نہیں ہیں بلکہ پہلے بھی جگاتے رہتے ہیں یا تم پر قارعہ اترتی ہے۔ ایسی بلا اور ایسی آفت یا ایسی تنبیہ کہ جو تمہارے گھروں کے بڑے زور کے ساتھ دروازے کھٹکھٹاتی ہے اور یا ساتھ کے گھروں کے کھٹکھٹاتی ہے اور تمہیں آواز آ رہی ہوتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ ایک بیدار کرنے والی آ گئی ہے اس لئے خدا کو یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اب بتایا جب کہ وقت گزر گیا جب کہ کچھ باقی ہی نہیں رہا۔ فرمایا ہم وہ حساب تو دیں گے مگر اس سے پہلے بھی تو ہم سَرِیْعُ الْحِسَابِ تھے اور ان معنوں میں کہ جو جو حساب پہلے ہوتے رہے ان کی جزا بھی تمہیں ملتی رہی ہے۔ سَرِیْعُ الْحِسَابِ یہ دوسرے معنی ہیں جو یہاں اختیار کر لیتا ہے اور ان کی تائید وہی قارعہ والی آیت اور بعض دوسری آیات بتاتی ہیں کہ وقتاً فوقتاً انسان کو تنبیہات ملتی رہتی ہیں جان لیتا ہے کہ یہ بات غلط تھی مگر پھر جب وہ حرکت اسی طرح جاری رکھتا ہے تو ساری زندگی سرابوں کا سفر بن جاتی ہے اور اس سے بڑی ظلمات اور کیا ہو سکتی ہیں کوئی دکھانے والا دکھائے، نظر نہ آئے یہاں تک کہ بالآخر خدا ہی اسے بتائے کہ یہ اندھیرے تھے یہ روشنیاں نہیں تھیں ان سے پناہ کی ضرورت ہے اور ان سے بچنے کی ضرورت ہے اور اس دھوکے سے

بچنے کی صرف ایک راہ ہے کہ انسان انکساری اختیار کرے۔ جب اسے کوئی بات کہتا ہے مشورہ دیتا ہے سب سے پہلی بات یہ دیکھنے والی ہے کہ مشورہ دینے والا اپنا کوئی مطلب رکھتا ہے یہ اپنی غرض رکھتا ہے یا اسے کوئی غرض نہیں ہے؟ اگر وہ بے غرض ہے تو پھر اس کی بات نہ سننا تمہاری جہالت ہے۔ اتفاق کرو یا نہ کرو مگر یہ کہہ کر اس سے بات نہ توڑو کہ ہمیں پتا ہے، ہمیں نظر آ رہا ہے، ہمیں دکھائی دے رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر روشنیوں کی طرف بلانے والا اور کوئی نہیں تھا، نہ ہے، نہ ہوگا مگر آپؐ کے متعلق بھی خدا تعالیٰ نے ساتھ یہ احتیاط برتی ان دشمنوں کی خاطر فرمایا ان کو کہہ دے تو اپنی ذات کے لئے ان سے کوئی اجر بھی نہیں مانگ رہا ہر گز کسی قسم کا اجر ان سے طلب نہیں کر رہا۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (سبا:48) میرا اجر تو خدا کے سوا کسی پر ہے ہی نہیں۔ اس لئے تم کیوں اتنے بے وقوف ہو کہ، سمجھتے ہو کہ میں اپنے مطلب کی خاطر بات کر رہا ہوں۔ ایسا ناصح جو اپنی غرض نہ رکھتا ہو یا اپنی غرض کی طلب نہ کرے وہ ناصح اس لائق ہے کہ اس کی بات توجہ سے سنی جائے اور انکسار کی راہ اختیار کرتے ہوئے انسان یہ سوچے کہ ہوسکتا ہے میری غلطی ہو اور دوسرے پہلو سے بھی دیکھ لے اور یہ جو دوسرا پہلو ہے یہ زاویہ بدلنے سے نظر آیا کرتا ہے۔ ایک زاویئے سے ایک بات دیکھی پھر دوسرے زاویئے سے جا کے دیکھا تو اس کے نتیجے میں وہ آنکھیں جو پہلے اندھی تھیں انہیں دکھائی دینے لگتا ہے۔ وہ جو پہلے ایک بات کو روشنی دیکھ رہا تھا وہ اسے اندھیرا دیکھنے لگ جاتا ہے۔ دراصل ایسا انسان تکبر کے اندھیرے میں بھی رہتا ہے ایک اور اندھیرے کا سایہ اس کے اوپر رہتا ہے اور متکبر کے لئے پھر کوئی روشنی کا سامان نہیں۔ انسان انکسار سے کام لے اور زاویہ بدل کے دیکھے تو اس سے بسا اوقات وہ تکبر کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور دوسرا پہلو صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔

(اس موقع پر بعض لوگ لاؤڈ سپیکر سسٹم میں خرابی کو درست کرنے والے منتظمین کی طرف دیکھنے لگے اس پر حضور نے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا، مگر اگر آپ وہ پہلو دیکھتے رہیں گے تو یہ پہلو دکھائی نہیں دے گا۔ اس لئے بعض نظریں جو بے وجہ اس بے غرض تماشے میں لگ گئی ہیں اس سے ان کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا تار ہی ہلتی دکھائی دے گی نا۔ میں آپ کے دلوں کے تار ہلانے کی کوشش کر رہا ہوں)

پس ایسا شخص جو تکبر کا اندھیرا رکھتا ہو اس کو اگر آپ روشنی دکھانے کی کوشش بھی کریں گے تو

ہرگز نہیں دیکھ سکے گا ایسا تجربہ بسا اوقات ہوا ہے۔

بنگلہ دیش میں ایک دفعہ ایک واقعہ گزرا کہ وہاں کے کچھ دینی مدرسے کے طالب علموں نے یہ سوچا کہ احمدیت کو ہم جانتے ہیں جھوٹی ہے لیکن چلو دیکھیں تو سہی ایک بحث کر کے دیکھیں کہ دوسری طرف کے دلائل ہیں کیا؟ اور اگر ہم طلبہ میں ایسی بحث تیار کر کے پیش کریں تو پھر قادیانیوں کو یا مرزائیوں کو جو بھی وہ کہتے تھے یہ موقع تو نہیں ملے گا کہ بعد میں اپنے دلائل دیں اور ہمارے طلبہ متاثر ہو جائیں مگر کوشش یہ کرنی چاہئے کہ جس طرح قادیانی بات کرتے ہیں ویسی کی جائے۔ چنانچہ وہ وفد جس نے Debate کا ایک حصہ اپنے لئے اختیار کیا تھا وہ ہمارے مربی صاحب اور امیر وغیرہ کی خدمت میں پہنچ گیا انہوں نے کہا یہ مقصد ہے ہمیں صرف آپ اپنے دلائل بتائیں اور یہ سمجھائیں کہ آپ کس طرح پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے دلائل احمدی نقطہ ءِنظر سے دیکھے تو سب کا دل قائل ہو گیا۔ انہوں نے کہا او ہو یہ تو ہیں ہی سچے۔ اب مجھے یہ یاد نہیں کہ وہ Debate اساتذہ نے پوری ہونے بھی دی تھی کہ نہیں مگر وہ احمدی جو اس میں شامل تھے انہوں نے بتایا کہ ان کا پلڑا اتنا بھاری رہا کہ علماء میں وہاں سراسیمگی پھیل گئی کہ یہ کیا واقعہ ہو گیا ہم تو کچھ اور کرنے نکلے تھے کچھ اور نکل آیا۔

تو زاویہ بدلنے سے بعض چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور انسان کا فرض ہے کہ تکبر سے کام نہ لے۔ یہ دیکھ لے کہ ناصح خود غرض ہے اور بدیہی طور پر غلط چیز کی طرف بلا رہا ہے یا ہماری بھلائی کی طرف بلا رہا ہے۔ اب بدیہی طور پر بعض چیزیں غلط ہوتی ہیں مثلاً ایک آدمی کہتا ہے جھوٹ بولو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں تمہارے فائدے کی چیز ہے۔ روشنیوں سے جو شخص بظاہر روشنی میں دیکھ رہا ہے اس کو اس وقت یہ نظر ہی نہیں آئے گا کہ جھوٹ سے تو کوئی فائدہ وابستہ ہو ہی نہیں سکتا۔ صاف دیکھتا ہے کہ ہاں ہے۔ اگر کوئی دوسرا کوئی اس کو کہے کہ دیکھو جھوٹ نہ بولو تو اسے وہ دھتکارنے کا حق نہیں رکھتا کیونکہ جھوٹ نہ بولنا ایک بدیہی صداقت ہے جس کے خلاف فطرت از خود کوئی آواز نہیں اٹھاتی۔ اگر کسی کو کہو جھوٹ نہ بولیں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم بدانسان ہو، گندے ارادے کے ساتھ بات کر رہے ہو۔ وہ تو یہ کہہ سکتا ہے جاؤ جاؤ اپنا رستہ لو میں زیادہ سمجھدار ہوں مجھے پتا ہے جھوٹ سے فائدہ ہوتا ہے مجھے پتا ہے بعض جگہ جھوٹ بولے بغیر گزارہ ہی کوئی نہیں۔ اگر ایسے شیطان کی بات انسان مان لے تو بظاہر وہ ایک روشنی کا فیصلہ کر رہا ہے وہ جانتا ہے کہ یہی قاعدہ ہے جھوٹ سے فائدہ ہے مگر

دراصل یہ ایک اور اندھیرے کی طرف قدم ہوگا۔

پس یہ سراب کی جو مثال قرآن کریم نے پیش کی ہے اس پر آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں اور نئے نئے پہلو اس کے نکلتے آئیں گے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے یہیں واقعہ ہوا ہے ویسے تو مخلص نوجوان ہے وہ لڑکا لیکن اسے ایک تجربہ کار نے یہ نصیحت کی کہ فلاں انٹرویو کے لئے جارہے ہو یہ بات نہ صحیح بتا دینا۔ ہر سچ بولنا یہ نہ کہہ دینا ورنہ وہ تمہیں رد کر دیں گے۔ یہ بات جو کمزوری ہے، پتا لگ گئی تو ضرور رد کر دیں گے۔ چنانچہ اس بے وقوف نے بجائے اس کے کہ مجھ سے بات کرتا آنکھیں بند کر کے وہ بات مان لی اور ساری باتیں سچی کہیں وہی ایک جھوٹ بولا۔ اس کی نوکری کی درخواست صرف اس وجہ سے رد ہوئی کہ تم نے وہ جھوٹ بولا ہے اس لئے ہم رد کرتے ہیں۔ بعد میں بے چارہ سر جھکا کے آیا کہ جی یہ غلطی ہوگئی ہے۔ میں نے کہا جھوٹ تو ہے ہی غلطی۔ تمہیں اس گند پہ منہ مارنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ ناکام ہوتے مگر یہ تو خوشی ہوتی کہ شیطان کے ہاتھوں سے نہیں کھایا خدائے واحد و یگانہ کے ہاتھ سے ملا ہے جو بھی ملا ہے۔

پس روشنی سمجھتے ہوئے جو اندھیروں کا سفر ہے وہ سب سے خطرناک ہے۔ ہم جانتے ہیں ہمارے کیا مفادات ہیں، عدالتوں میں لوگ جھوٹ بولتے ہیں تو اسی روشنی میں جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔ اگر وہ سیاست میں جھوٹ بول رہے ہیں یا دھوکے دے رہے ہیں یا مذہب میں جھوٹ بول رہے ہیں یا دھوکے دے رہے ہیں۔ یہ سارے سفر سراب کے سفر ہیں۔ ایک مقصد لے کر نکلے ہیں اس پیاس بجھانے کی خاطر ہر ظلم کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری حساب فہمی تو مکمل ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وقتاً فوقتاً تمہیں اس کے مزے چکھائے جائیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بالآخر اگر وہ شخص ایسا ظالم ہو کہ اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہو کہ کوئی تنبیہہ کام آ ہی نہیں سکتی کوئی امکان ہی نہیں ہے ضروری نہیں کہ اس کو ضرور پہلے قارعہ ہی نصیب ہو۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کوئی شخص اپنے اندر کیسی تاریکی رکھتا ہے تو ایسے شخص کو پھر مسلسل اسی طرف بڑھنے دیا جاتا ہے جس طرف وہ اپنی ہلاکت کے آخری کنارے کی طرف جارہا ہے۔

سب سے زیادہ استغفار کا یہ موقع ہے کہ اللہ ہمیں نفس کے ایسے دھوکے سے بچائے کہ جب اندھیرے کو روشنی دیکھنے لگیں اور روشنی کو اندھیرا دیکھنے لگیں۔ یہ بیماری سب سے خطرناک اور سب

سے زیادہ لاعلاج ہے۔اس کے علاوہ دوسری بیماریاں ہیں جو بیرونی اثرات کے نتیجے میں اندھیرے پیدا کرتی ہیں۔ان کے تعلق میں قرآن کریم کی اس سے اگلی آیت روشنی ڈال رہی ہے جہاں تک من شرور انفسنا کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں یہ آیت ان سارے مضامین پر حاوی ہے۔ایک شخص کسی اور کا نہ محتاج ہے نہ کچھ، اپنا ہی نفس اس کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے اور کسی غیر کے دھوکے کا اس میں دخل نہیں ہے۔اب یہ دیکھیں مضمون بالکل واضح ہے اس کا سراب کو دیکھنا اس لئے نہیں ہے کہ بادل آئے ہوئے ہیں۔اس کا سراب کو دیکھنا اس لئے نہیں ہے کہ اندھیرا ہے رات ہوگئی ہے۔رات ہوگئی تو سراب نہیں دکھائی دے گا، بادل آئے ہوں گے تو سراب نہیں دکھائی دے گا۔پس روشنی میں اندھیرا یہ بہت خطرناک ظلم ہے اور اس میں غیر کی محتاجی ہی کوئی نہیں، کسی باہر سے آنے والے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ آپ کو اشارہ کر کے بتائے دیکھو وہ پانی ہے اور وہ پانی نہ نکلے آپ کا نفس ہی کافی ہے اس دھوکے کے لئے۔

اگلی جو آیت ہے اس میں بیرونی محرکات کا اور بیرونی پردوں کا ذکر ہے جو ایک انسان پر بعض دفعہ ایک، بعض دفعہ دو، بعض دفعہ تین تین اندھیرے، بعض دفعہ ظلمات کی کئی کئی قسمیں وارد کر دیتے ہیں اور ایسے شخص کا سفر بھی اندھیروں کا رہتا ہے مگر اندھیرا سمجھتے ہوئے دھکے کھاتا پھرتا ہے کہیں اس کو نور کی راہ نہیں ملتی۔اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے اگلی آیت فرماتی ہے۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ یا اس کی مثال ایسی ظلمتوں کی سی ہے فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ جو بہت ہی گہرے اور بھرپور سمندر میں واقع ہوتی ہیں۔اب یہاں لُّجِّيٍّ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔سب سے پہلے تو اس پر غور کریں۔سمندر کے اندر جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ یہ ہے فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ایسے اندھیرے کہ ایک موج کے بعد دوسری موج نے ڈھانپا ہوا ہو اور اس کے اوپر بھی سورج دکھائی نہ دے۔سَحَابٌ دن بھی اندھیرا جہاں سورج کی روشنی کی راہ میں بادل حائل ہو گیا ہو اور پھر موج در موج وہ انسان ہو، اسے اس کے علاوہ لُّجِّيٍّ سے کیا فرق پڑے گا۔سمندر گہرا ہو یا کم گہرا ہو لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ سمندر سب سے زیادہ روشنی کو کاٹنے والا ہوتا ہے اور جتنا گہرا ہوتا جائے اتنا اندھیرا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ گہرے سمندروں میں کوئی نور کا اشارۃً بھی نشان دکھائی

نہیں دیتا۔ مکمل اندھیرا اگر ممکن ہے تو باہر کی فضاؤں میں ممکن نہیں ہے۔ جن کو آپ مکمل اندھیرا سمجھے ہیں اگر تیز حساس فلموں سے اس اندھیرے میں تصویر کھینچیں اور وقت زیادہ دیں تو تصویریں پھر بھی آجاتی ہیں، میں نے خود بعض ایسے کیمروں سے تصویریں کھینچی ہیں کہ مکمل اندھیرا تھا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا آنکھ سے لیکن ہلکی ہلکی روشنی، کہیں سے ستاروں سے کوئی ایسی روشنی پہنچتی ہے جو انسان جس کے ذریعے دیکھ تو نہیں سکتا مگر موجود ہے اور فلم کی حساس سطح اسے قبول کر لیتی ہے۔ تو تصویریں جب دھل کے آئیں تو خود فوٹو گرافر جس نے یہ تصویریں صاف کی تھیں حیران رہ گیا جب اس کو بتایا کہ یہ اندھیرے کی تصویر ہے۔ اس نے کہا یہ تو پھولوں کے رنگ بھی صاف آگئے ہیں۔ مگر سمندر کی تہہ کا جو اندھیرا ہے اس میں کچھ نہیں ہوسکتا۔ ناممکن ہے۔ بیس پچیس گز نیچے سے ہی اندھیرے شروع ہو جاتے ہیں اور گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں جہاں دس ہزار فٹ نیچے تک سطح واقع ہو یا پندرہ یا تیس ہزار فٹ تک وہاں جائیں تو روشنی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ تو ایک شخص اندھیروں میں سفر کر رہا ہے، اس کے اوپر بھی اندھیروں کی تہہ اور نیچے بھی اندھیرے ہیں مگر وہ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ کے اندھیرے ہیں اس لئے وہاں سے روکنے کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ روشنی آسکتی تھی تو اوپر سے آسکتی تھی گہرے سمندر میں نیچے سے روشنی آ ہی نہیں سکتی۔ تو اوپر بھی اندھیرا نیچے بھی اندھیرا اور نیچے کا اندھیرا جو خدا سے بے تعلق یعنی آسمان کی بجائے زمین سے اٹھتا ہے یا گہرے سمندر سے پیدا ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ خطرناک اندھیرا ہے۔ فرمایا ایسا شخص اِذَآ اَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰىھَا اپنا ہاتھ دیکھے تو نہیں دیکھ سکتا، ہاتھ بڑھائے یوں کر کے کہ کہاں ہے تو کچھ دکھائی نہیں دے گا۔ مگر یہاں ہاتھ کا قصور نہیں ہے ،اس کے نفس کا قصور نہیں ہے اور اس کی آنکھوں کا قصور نہیں ہے کیونکہ لَمْ یَکَدْ یَرٰىھَا کا مضمون بتا رہا ہے کہ آنکھوں کا نور باقی ہے مگر غیر اندھیرے چھا گئے ہیں۔ تو فرمایا اگر تم نے نور پانا ہے تو بیرونی طور پر خود اپنے نفس کے تکبر کے اندھیروں میں بھی تم سفر کر سکتے ہو، روشنی ہوتے ہوئے بھی تمہیں اندھیرے سے زیادہ اور کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ ویسا ہی ہے جیسے اندھیرا ہو، ویسے ہی روشنی ہوگی اور روشنی تمہیں فائدہ دینے کی بجائے وہ نقصان ضرور پہنچا دے گی جو اندھیرا پہنچا سکتا ہے۔ مگر نفس کی روشنی جو دھوکے والی ہے وہ لازماً پہنچا دے گی۔ یہ فرق ہے۔ اگر آپ اندھیرے میں سفر کریں تو کسی سمت غلطی سے منہ اٹھ جائے ہوسکتا ہے وہاں پانی نکل آئے مگر جو نفس کے دھوکے کی روشنی ہے وہ آپ

کولازماً غلط سمت میں لے کے جائے گی اور اندھیرے میں سراب دکھائی دے ہی نہیں سکتا۔ اگر کچھ نہ دکھائی دے تو کم سے کم چند منٹ چین سے تو انسان بیٹھ سکتا ہے مرے تو وہیں نسبتاً زیادہ آرام کی حالت میں جان دے ورنہ ہر قدم جو سراب کی طرف اٹھاتا ہے اس کی پیاس بڑھتی چلی جاتی ہے۔ تو سب سے خطرناک وہ اندھیرا ہے جیسا کہ قرآن کی کریم آیات کی ترتیب نے بھی ہمیں سمجھا دیا جو بظاہر روشنی ہے مگر اپنے نفس کا اندھیرا ہے جس نے ہر روشنی کو بے معنی اور بے حقیقت کر دیا ہے اور اس میں غیر کی مدد کی حاجت نہیں ہے۔ کوئی شیطان بیرونی ہو یا نہ ہو تمہارا اپنا شیطان بہت کافی ہے۔ پس اس لئے جو یہ دعا ہے **من شرور انفسنا** کہ اے اللہ! ہمیں اپنے نفس کے شرور سے بچا یہ بہت اہم دعا ہے جس کے بغیر ہمارا اندھیروں سے روشنی کی طرف سفر ممکن نہیں ہے۔

پس باقی مضمون انشاء اللہ اگلے جمعہ میں شروع کروں گا جو زیادہ تر اس آیت کے دوسرے حصہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن پہلے حصے کا دوسرے حصے سے موازنہ کرنے کی خاطر آپ کو یہ سمجھانے کے لئے کہ پہلا اندھیرا نفس کا اندھیرا ہے دراصل اور اس اندھیرے کا سوائے اس کے کوئی علاج نہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے ورنہ کان سنیں گے اور سننا نہ چاہیں گے۔ سنتے بھی ہوں تو سننا نہیں چاہیں گے۔ آنکھیں دیکھ بھی رہی ہوں آپ دکھائیں وہ دیکھنا نہیں چاہیں گی ایسے شخص کا کیا علاج ہوسکتا ہے سوائے اس کے کہ اللہ اس کے دل میں ایک تغیر پیدا فرما دے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے **شرور انفسنا** کی دعا سکھا کر، دیکھیں ہم پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے تاکید فرمائی خطبات میں اس کو ہمیشہ بیان کیا انہی آیات کو پڑھا تا کہ ہم اپنے نفس کے شر سے بچتے رہیں اس سے بڑا اور کوئی شر نہیں جو انسان کے اندر سے پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ اس شر سے بچیں تو پھر ہماری آنکھیں کام کریں اور ہمیں دکھائی دینے لگے۔ آمین